© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ جناب مولوی محمد یحییٰ صاحب رضوی کا ایک عنایت نامہ شائع کیا جارہا ہے جو حال میں مدیر رسالہ کے نام وصول ہوا تھا۔ صاحب موصوف کی اس تحریر کو دیکھنے کے بعد یہ مناسب سمجھا گیا کہ اشاعت سے پہلے ان سے نظر ثانی کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ انھیں لکھا گیا کہ "جہاں تک مولٰنا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ذات کا تعلق ہے، فتویٰ سے رجوع کرنے کے بعد یہ قضیہ ختم ہوچکا ہے۔ آپ مدیر رسالہ پر جس قدر چاہیں اعتراضات فرمائیں سخت سے سخت اعتراضات جو آپکے امکان میں ہوں، آپ کرسکتے ہیں، اور اطمینان رکھیے کہ وہ اس رسالہ میں بے تامل شائع کیے جائیں گے، کیونکہ اس رسالہ کا ایڈیٹر جس طرح دوسروں کو تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتا، اسی طرح خود اپنے آپ کو بھی نہیں سمجھتا۔ البتہ مولٰنا کے طرز عمل کو اب دوبارہ معرض بحث میں لانا بالکل نامناسب ہے۔ اس حصہ کو خارج کرنے کے بعد اگر آپ کوئی اصولی بحث فرمائیں تو زیادہ بہتر ہے، اس سے بہرحال کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہوگا۔"

لیکن صاحب موصوف نے ہماری اس درخواست کو شرف قبول نہ بخشا۔ اور اپنے اسی مطالبہ مصر رہے کہ اس تحریر کو بجنسہٖ شائع کیا جائے۔ ان کا مقصد جیسا کہ انہوں نے اپنے دوسرے عنایت نامہ میں ظاہر کیا ہے "علماء اسلام کی پوزیشن صاف کرنا اور اُس غلط فہمی کو دور کرنا ہے۔ جو ترجمان القرآن کے مضمون کی وجہ سے عوام وخواص میں پیدا ہوچکی ہے" نیز اُس نقصان کا ازالہ بھی پیش نظر ہے جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو وہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

"آپ نے ابھی تک غالباً اس کا اندازہ نہیں فرمایا کہ آپ کے اس مضمون نے ہماری مختلف جماعتوں میں کس قدر اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی جیسے قابل قدر عالم کی شخصیت عوام کی نظروں میں کس درجہ متاثر ہوئی ہے"!

ان مقاصد سے ہم بھی متفق ہیں۔ علمائے اسلام کی پوزیشن صاف کرنا، اور کسی اسلامی جماعت کے اختلافات کو رفع کرنا اور ایک قابل قدر عالم دین کی شخصیت جو عوام کی نظروں میں متاثر ہو گئی ہے اس کو بحال کرنا، یہ سب فی الواقع ضروری امور ہیں۔ اور اگر اس مضمون سے جو مولوی محمد یحییٰ صاحب نے تحریر فرمایا ہے ایسے اچھے مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں تو اس رسالہ کے صفحات اُن کی خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ میری ذات کے متعلق مولوی صاحب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے میں ان کی تردید کرنا نہیں چاہتا جن مقاصد کے لیے انہوں نے یہ سب کچھ لکھا ہے ان سے میں خود اتفاق رکھتا ہوں۔ اور جب ان مقاصد کا حصول ان کی رائے میں اسی قسم کی تحریر پر موقوف ہے تو مجھے اس کے خلاف کچھ نہ کہنا چاہیے۔ مزید براں جس شخص نے "اپنے سے بالاتر ہستیوں پر بیجا اعتراضات کر کے" نام وری حاصل کرنی چاہی ہو اُس کی جھوٹی اور ذلیل ناموری تو اسی قابل ہے کہ اس کو انہی صفحات میں پامال کر دیا جائے جن میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ رہیں وہ غلط بیانیاں، جو امور واقعیہ کے خلاف اس مضمون میں کی گئی ہیں، تو اُن کی تردید بھی غیر ضروری ہے۔ ان کی اصلاح کے لیے صرف اس قدر کافی ہے کہ ناظرین جمادی الاولیٰ اور جمادی الآخرہ کے پرچوں میں زیر بحث مضامین پھر ایک بار پڑھ لیں میں صاحب مضمون سے بدگمانی نہیں کرتا۔ غالباً جوش کی حالت میں بعض ایسی باتیں بلا ارادہ ان کے قلم سے نکل گئی ہیں جو واقعات کے خلاف ہیں۔

ذاتیات سے قطع نظر کرتے ہوئے چند امور اس سلسلہ میں قابل گذارش ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس چیز کو غلط کہا گیا تھا اس کے غلط ہونے میں تو اب کسی شک کی گنجائش نہیں رہی، کیونکہ خود ان حضرات نے جو اس غلطی کے مرتکب ہوئے تھے اس سے رجوع فرما لیا ہے۔ رجوع کسی صحیح فعل سے نہیں کیا جاتا، غلطی ہی سے کیا جاتا ہے۔

جس چیز کو بے احتیاطی کہا گیا تھا اس کے بے احتیاطی ہونے سے بھی اب انکار کی گنجائش نہیں اس لیے کہ فتوی سے رجوع کے جس قدر وجوہ ظاہر کیے گئے ہیں ان میں سے ایک وجہ بھی فتویٰ لکھنے کے بعد پیدا نہیں ہوئی، بلکہ تمام وجوہ فتویٰ لکھنے سے پہلے موجود تھے۔ یہ صحیح ہے کہ مفتیان کرام ان سے بے خبر تھے مگر جس طرح فتویٰ شائع ہونے کے بعد وہ ان سے باخبر ہوئے اسی طرح فتوی لکھنے سے پہلے بھی باخبر ہو سکتے تھے۔ اگر اختیار سے پہلے وہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی جن کی بنا پر بعد میں فتوے سے رجوع کیا گیا، تو ظاہر ہے کہ نہ فتویٰ لکھا جاتا اور نہ یہ فتنہ رونما ہوتا۔ اسی چیز کو بے احتیاطی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ تعبیر غلط نہیں ہے۔

اب کلام جو کچھ ہے صرف اس امر میں ہے کہ اس غلطی کو غلطی اور بے احتیاطی کو بے احتیاطی کہا کیوں گیا؟ دوسری جماعتوں کے لوگ مذہبی اور قومی معاملات میں غلطی کریں تو ان کو ٹوکو اور ضرور ٹوکو، حتی کہ اگر سب وطعن بھی کر جاؤ تو مضائقہ نہیں۔ لیکن جب ہماری جماعت کے لوگ غلطی کریں تو خواہ وہ کیسی ہی سخت غلطی ہو۔ اور اس سے مصالح امت کو کتنا ہی نقصان پہنچے، اس پر کچھ نہ کہو، کیونکہ وہ اسلامی ہند کی مایہ ناز ہستیاں ہیں۔ اول تو ان کے ہر فعل کو تمہیں صحیح سمجھنا چاہیے۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو جو چیز تمہیں غلط نظر آئے اس پر تنقید و نصیحت اور تنبیہ کرنے کی جرأت نہ کرو کہ یہ گستاخی و بے ادبی ہے تمہیں تو اس پر پردہ ڈالنا چاہیے، بلکہ دوسروں کے سامنے اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے پوری قوت استدلال صرف کر دینی چاہیے لیکن اگر تم ایسا بھی نہیں کر سکتے اور تمہیں غلطیوں پر ٹوکنے کی بیماری ہی ہے تو بدرجہ آخر اتنا تو ضرور ہونا چاہیے کہ اس گروہ کے بزرگوں کو کسی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لیے دبی زبان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کام لیا جائے۔ لہجہ اور الفاظ اور انداز بیان، ہر چیز میں یہ امتیاز نمایاں ہونا چاہیے کہ اس گروہ خاص کے لیے یہ زبان ہے، اور دوسرے تمام گروہوں کے لیے دوسری زبان۔

میں نہیں کہتا کہ یہ علمائے کرام کا مطالبہ ہے۔ جو علما صحیح معنوں میں علمائے حق ہیں، ان کا مرتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ وہ افرادِ امت سے اس قسم کی گروہ بندی اور شخصیت پرستی کا مطالبہ کریں۔ مگر جس گروہ متبعین کی نمایندگی مولوی محمد یحییٰ صاحب کر رہے ہیں، اس کی ذہنیت یہی ہے۔

مدرسیت کی آب و ہوا میں ایک مدت دراز سے یہی ذہنیت پیدا ہو رہی ہے۔ اسی ذہنیت نے مسلمانوں میں فرقہ بندی اور طائفی عصبیت اور حمیت جاہلیہ پیدا کی ہے، اور اسی کی بدولت امتِ مسلمہ ایسے اجزا میں تقسیم ہو گئی ہے جن میں اتصال و اتحاد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ مسلمانوں میں جتنے فرقے بنے ہیں اسی سبب سے بنے ہیں کہ ایک ایک جماعت نے اپنے اپنے اساتذہ اور ائمہ کو غلطی سے پاک سمجھا، ہر خطا و صواب میں ان کی تقلید کی، ان کی باتوں پر تنقید کی نظر ڈالنا اور آزادیٔ رائے کے ساتھ صرف صواب میں اتفاق اور خطا سے اختلاف کرنا گناہ سمجھا۔ اس طریقہ سے رفتہ رفتہ ہر جماعت گویا ایک قوم بن گئی، اس کے ائمہ کے اقوال ایک مستقل مذہب کی بنیاد بن گئے، ان کی غلطیاں بھی مسلماتِ قوم میں داخل ہو گئیں، اور اکابر کے کسی فعل یا ان کے بنا کردہ مذہب کے کسی ادنیٰ جزیہ سے بھی اختلاف کرنا گویا مذہب اور جماعت کی مخالفت کا ہم معنی ہو گیا۔

اس فرقہ بندی کے بعد فرقوں کی جنگ شروع ہوئی۔ ہر فرقہ کے لوگوں نے اپنا یہ اصول مقرر کر لیا کہ جو کچھ ان کے اپنے دائرے میں ہے وہ تو تنقید سے بالاتر ہے، اور اس کی ہر چیز اس قابل ہے کہ اس کی حمایت و مدافعت کی جائے، اور جو کچھ اس دائرے سے باہر ہے اس پر نہ صرف تنقید اور نہ صرف نکتہ چینی جائز ہے، بلکہ ملامت اور سب و شتم بھی کی جا سکتی ہے، اس کی صحیح باتوں کو بھی غلط ٹھیرایا جا سکتا ہے، اس کو ہر قسم کے الزامات بھی دیے جا سکتے ہیں، حتیٰ کہ اس کو دین سے خارج کر دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نگی کوئی مضایقہ نہیں ظاہر ہے کہ جب ایک فرقہ دوسرے فرقہ پر اس ذہنیت کے ساتھ حملہ آور ہوگا،

اور دوسرا اسی ذہنیت کے ساتھ جوابی حملہ کرے گا تو احقاق حق اور قبول حق قطعی ناممکن ہوگا۔ جو لوگ اس فرقہ بندی کی فضا میں نشوونما پاتے ہیں ان کی نظروں پر جماعت اور غیر جماعت کا امتیاز اور طائفی عصبیت کا اثر اس درجہ مستولی ہوتا ہے کہ وہ نہ کسی دلیل سے اپنے گروہ کی کسی غلطی کو تسلیم کر سکتے ہیں، اور نہ اپنے دائرۂ جماعت سے باہر کی کسی حق بات کو قبول کر سکتے ہیں۔ اگر حق ان پر ظاہر بھی ہو جائے تو حمیت جاہلیہ ان کا دامن پکڑ لیتی ہے۔ اسی لیے ان کے مناظرے ہمیشہ بے نتیجہ رہتے ہیں، بلکہ ہر مناظرہ مزید تلخی اور آتش عصبیت کے مزید اشتعال پر ختم ہوتا ہے، کیونکہ ہر فریق اس تخیل کے ساتھ میدان میں اترتا ہے کہ اپنی ہر بات کی حمایت اور مخالف کی ہر بات کی مخالفت ضروری ہے۔ اگر میں نے اس کی کوئی بات مان لی تو گویا میری اور میرے ساتھ میری پوری جماعت کی شکست ہو گئی، اور مخالف فتحیاب ہو گیا۔

اس عصبیت کا ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ کسی خاص گروہ کے ساتھ انتساب رکھتے ہیں ان کی صحیح تنقید اور جائز پندو وعظ میں بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھنے والے دیکھتے ہیں کہ یہ شخص ایک گروہ کی تو کھلی ہوئی غلطیوں پر بھی خاموش رہتا ہے بلکہ حتی الامکان ان کی حمایت کرتا ہے، اور اس کی زبان جب کھلتی ہے تو دوسرے گروہوں کی خطاؤں پر ہی کھلتی ہے۔ یہ رنگ دیکھنے کے بعد کیونکر ممکن ہے کہ اس کی کوئی بات دائرۂ جماعت سے باہر کسی وقعت کی حامل ہو سکے۔ ایسے شخص کو تو حق پرست سمجھا ہی نہیں جاتا۔ وہ صداقت کا نہیں بلکہ ایک خاص جماعت کا نقیب سمجھا جاتا ہے، اور اس کی ہر بات طائفیت (پارٹی فیلنگ) کے غبار میں گم ہو کر بے اثر ہو جاتی ہے۔

جو شخص قرآن و سنت کی تعلیم اور سلف صالح کے طریقہ پر نظر رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اسلامی ذہنیت ہرگز وہ ذہنیت نہیں ہے جس سے یہ فرقہ بندی اور طائفی عصبیت پیدا ہوتی ہے۔ قرآن تو ہم کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَالْاَقْرَبِیْنَ۔" تم انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے شہادت دو خواہ وہ تمہاری اپنی ذات یا تمہارے ماں باپ یا رشتہ داروں ہی کے خلاف کیوں نہ پڑے" (النساء: ۲۰)، وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْکَانَ ذَا قُرْبٰی۔" اور جب بولو تو انصاف ہی کے ساتھ بولو خواہ وہ تمہارے عزیز قریب ہی کے خلاف کیوں نہ ہو" (انعام: ۱۹)، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ تعلیم دی ہے کہ محبت اور بغض اور تائید اور مخالفت جو کچھ بھی ہو خالص حق کے لیے ہو۔ اوثق عری الایمان الحب فی اللہ والبغض فی اللہ۔ من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ ونصح للہ فقد استکمل الایمان۔ الدین النصیحۃ للہ عز وجل۔ مسلمان کے لیے صرف ایک ہی پارٹی کافی ہے اور وہ اللہ کی پارٹی ہے۔ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اس پارٹی کا اصل الاصول یہ ہے کہ تمہاری موافقت اور مخالفت، تائید اور تردید، دوستی اور جنگ، اتحاد اور اختلاف ہر چیز نفسانیت سے پاک اور اشخاص یا جماعتوں کی الفت و عداوت سے قطعاً مبرا ہو۔ خدا کے دیئے ہوئے علم اور اس کی بخشی ہوئی فکر و نظر کو ان تمام رنگین عینکوں سے پاک رکھو۔ جو بات حق پاؤ اسے بے تامل قبول کرو۔ جو غلط دیکھو اسے بے تکلف رد کر دو۔ جو سیدھے رستے پر جا رہا ہو اس کا ساتھ دو۔ جو غلطی کا مرتکب ہو بے لاگ انصاف کے ساتھ اس کو خطاوار ٹھیراؤ اور راہ راست پر لانے کی کوشش کرو۔ جس کی موافقت کرو صرف اس حد تک کرو جس حد تک وہ حق اور صداقت پر ہو۔ اور جس سے اختلاف کرو صرف اسی حد تک کرو جس حد تک وہ غلطی پر ہو۔

یہی اسلامی ذہنیت تھی جس نے سید البشر سے کہلوایا تھا کہ والذی نفسی بیدہ لو ان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا۔" خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا"۔ اسی ذہنیت نے افضل البشر بعد الانبیاء سے کہلوایا تھا کہ فاذا رأیتمونی قد استقمت فاتبعونی وان زغت فقومونی۔" جب تم دیکھو کہ میں سیدھا چل رہا ہوں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میری پیروی کرو اور جب میں ٹیڑھا چلنے لگوں تو مجھے سیدھا کر دو"۔ یہی ذہنیت تھی جس کے اثر سے ایک نکٹی چپٹی عورت نے امیر المومنین عمر فاروق کو بھرے مجمع میں مقدار مہر کی تعیین پر ٹوک دیا کہ ما ذالکَ لک (تم کو ایسا کرنے کا حق نہیں)، اور پھر یہی وہ اسلامی ذہنیت تھی جس کی برکت سے پورے مجمع میں سے کوئی ایک نظر بھی اس ہیچ میرز عورت کی طرف تعجب اور تضحیک کے ساتھ نہ اٹھی، اور کسی نے پلٹ کر نہ دیکھا کہ دنیائے اسلام کی سب سے بڑی مایۂ ناز ہستی کے مقابلہ میں یہ "پیرو مرشد" بننے کی جرأت کس شامت زدہ نے کی ہے، اور کسی نے یہ گمان نہ کیا کہ یہ حقیر ہستی اپنے سے لاکھ درجہ بالاتر شخص کو ٹوک کر نام وری حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ہوا صرف اتنا کہ فاروق اعظم نے اس سے دلیل پوچھی، اور جب اس نے اپنی تائید میں نص قرآنی پیش کر دی، تو اُس شخص کو جو عرب و شام و فارس کا مطلق العنان بادشاہ، اور تمام اہل ایمان کا امیر، اور علوم شریعت کا امام تھا، ایک ادنی عورت کے مقابلہ میں بھی اپنی خطا کا اقرار کرتے ہوئے ذرا جھجک محسوس نہ ہوئی، اور نہ کسی بے عزتی کا احساس ہوا کیونکہ وہ جاہلیت کی عزت نہ تھی، اسلام کی عزت تھی، جس کو کسی کی نصیحت سے ٹھیس نہیں لگ سکتی اور جو اقرار خطا اور رجوع الی الصواب سے گھٹتی نہیں بلکہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

ہر وہ شخص جس کو دین و ملت کی حقیقی خدمت کرنی ہو اس کے لیے لازم ہے کہ اپنے اندر یہی اسلامی ذہنیت پیدا کرے۔ اس کو کسی پارٹی اور کسی گروہ کے ساتھ ایسا معاہدہ نہ کرنا چاہیے کہ ہر خطا و صواب اور ہر صعب و سہل میں اس کی موافقت کرے گا، اور نہ کسی کے خلاف یہ عہد کرنا چاہیے کہ تمام امور میں اس کی مخالفت کرے گا۔ اس کو قائم بالقسط اور شہید للہ ہونا چاہیے۔ اس کو اوثق عری الایمان پر قائم ہونا چاہیے۔ اس کا عدل بے لاگ ہونا چاہیے۔ اس کی حق پرستی پارٹیوں اور اشخاص کی محبت و عداوت سے بالکل پاک ہونی چاہیے۔ وہ صرف حزب اللہ کا ممبر بن کر رہے۔ ہر صحیح بات کی موافقت کرے خواہ وہ کسی کی طرف سے پیش ہو۔ اور ہر غلط بات کی مخالفت کرے بلا لحاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے کہ اس کا مشیں کرنے والا کون ہے جس حد تک کوئی شخص یا جماعت حق پر ہو وہ بھی اس کے ساتھ رہے اور جہاں کوئی راہ راست سے ہٹے وہ نہ صرف اس سے الگ ہو جائے، بلکہ اس کو حق کی طرف کھینچ لانے میں نصیحت کا پورا پورا حق ادا کر دے۔ مگر مخالفت ہو یا موافقت دونوں میں اسے ٹھیک ٹھیک عدل اور حق پرستی کو ملحوظ رکھنا چاہیے تاکہ وہ خود کہیں ظالمین میں شامل نہ ہو جائے۔

ایسے شخص کی پوزیشن کو وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے جو طائفی عصبیت اور فرقہ بندی کی محدود فضا میں رہتے ہیں ان کے لیے یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ دشمنی، حسد، بدخواہی اور نفرت وغضب کے جذبات سے پاک رہ کر بھی کسی کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور محبت، عقیدت، ارادت، رشتہ داری اور تمام قریب ترین قلبی تعلقات کو قائم رکھتے ہوئے بھی کسی کی خطا پر تنبیہ کی جا سکتی ہے۔ وہ اپنی غلط ذہنی تربیت کی بنا پر اس طرز عمل سے قریب قریب بالکل نامانوس ہو چکے ہیں اس لیے وہ اسے غلط سمجھنے اور بری نگاہ سے دیکھنے پر مجبور ہیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جس اختلاف کو رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے وہ اسی قسم کا اختلاف ہے کیونکہ سوسائٹی کی علمی ترقی، اخلاقی طہارت، اور درستی معاملات کا انحصار تمام تر ایسے ہی اختلاف پر ہے۔ جس قوم کے سرداروں میں فان زغت فقومونی کہنے والے نہ ہوں اور جس قوم کے افراد میں یہ اسپرٹ نہ رہے کہ خلوص نیت کے ساتھ ٹیڑھا چلنے والوں کو سیدھا کر دیں، وہ قوم کبھی درست نہیں رہ سکتی۔

یہ چند سطریں صرف اس لیے لکھی گئی ہیں کہ آئندہ کے لیے اختلافی امور میں اس رسالہ کی پالیسی واضح ہو جائے۔ اگرچہ پہلے بھی لفظاً و عملاً اس امر کا اظہار کیا جا چکا ہے، مگر اب اظہار سے بڑھ کر اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ رسالہ کسی پارٹی اور کسی فرقہ کا آرگن نہیں ہے۔ نہ کسی گروہ کو اس سے یہ امید رکھنی چاہیے کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں اس کے ساتھ کوئی اختصاص برتے گا۔ اس کی نظر میں سب مسلمان یکساں ہیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں شخصی حیثیت سے ہر ایک واجب الاحترام ہے! مگر مسلک کے اعتبار سے جن امور میں کوئی شخص ہم کو حق پر نظر آئے گا اس کی ہم تائید کریں گے اور جن امور میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہم اسے راہ صواب سے ہٹا ہوا دیکھینگے، صرف اسی امر کی حد تک اس سے اختلاف کریں گے، نہ اس لیے کہ اس پر تفوق حاصل کریں بلکہ صرف اس لیے کہ اس پر اور اس کے ہم خیال لوگوں پر راہ صواب روشن ہو جائے اور وہ اس کی طرف رجوع کرکے اپنی عاقبت درست کرلے۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی لائق اظہار رہے کہ جس شخص کو ہم سے اختلاف ہو۔ اس کے لیے یہ صفحات کھلے ہوئے ہیں۔ اگر بحث علمی رنگ کی ہوگی اور عصبیت سے پاک ہوگی تو ہم بھی کھلے دل سے اس میں حصہ لیں گے اور اگر اس کا مقصد صرف اپنی کسی شکایت کو رفع کرنا ہوگا تو خواہ اس میں ہم پر کتنے ہی سخت حملے کیے جائیں، ہم اس کو بے کم و کاست شائع کردیں گے اور حتی الامکان مدافعت سے پرہیز کریں گے۔ بے لاگ تنقید پر بخارات کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم ان کے لیے خود کوئی راستہ نہ دینگے تو وہ دوسرے راستے نکالیں گے اور مسلمانوں کا بہت سا وقت اور روپیہ فضول پمفلٹ بازی میں ضائع ہوگا۔ لہٰذا اس فائدہ کی خاطر کبھی کبھی رسالہ کے چند صفحات قربان کردینا ہی مناسب ہے۔

افتاء کے باب میں مصالح امت کی رعایت ملحوظ رکھنے کا جو مشورہ دیا گیا تھا، اس کو "محض سیاسی مصلحت" اور "زمانہ سازی" قرار دیکر ناقابل اعتنا ٹھیرایا گیا ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ اسلاف کرام نے فتوی دینے میں کبھی "سیاسی مصلحتوں" کا لحاظ نہیں کیا۔ مگر قرآن اور سنت دونوں سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ شریعت میں جن اہم ترین مصالح سے اعتنا کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اسلامی جماعت میں تفرق و اختلاف اور تنازع کا سد باب کیا جائے اور اجتماع قلوب و تالف کی کوشش کی جائے، اور ایسے تمام اسباب کی روک تھام کی جائے جو مسلمانوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کرنے والے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد کعبہ کو بنائے ابراہیمی پر قائم کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ مگر کس لیے اس سے باز رہے؟ صرف اس لیے کہ قریش اور اطراف و جوانب کے عرب قبائل ابھی اسلام میں حدیث العہد ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہدم کعبہ کے معنی غلط سمجھیں اور کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں۔ منافقین مدینہ کے کفر اور عداوت اسلام سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضور خوب واقف تھے۔ مگر کیوں ان کے قتل کا فتویٰ نہ دیا؟ صرف اس لیے کہ تنفیر قلوب کا سبب نہ بن جائے۔ لوگ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے اصحاب کو ہلاک کر رہے ہیں۔ قیام مکہ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے جہر بالقرآن سے کیوں منع کیا؟ صرف اس لیے کہ مسلمان جو پہلے ہی مصائب میں گرفتار ہیں اور زیادہ مظالم کے شکار نہ ہوں۔ جہاد کی حالت میں دشمن کے ملک سے متصل اقامت حدود سے کیوں منع کیا گیا؟ صرف اس لیے کہ شائد کسی ضعیف الایمان شخص کے دل میں دشمنوں سے جا ملنے کا خیال نہ پیدا ہو جائے اور اس طرح مسلمانوں کی جمعیت کمزور ہو۔ ظالم و جابر امراء پر خروج کرنے سے کیوں روکا گیا؟ صرف اس لیے کہ جمعیت اسلامی میں فتنے نہ برپا ہوں۔ کہنے والا چاہے تو ان سب کو "زمانہ سازی" اور "سیاسی مصلحت پرستی" کہہ دے مگر ہم تو اس کو "حکمت" کہتے ہیں جو دراصل روح شریعت ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ شریعت میں مفتی کو مستفتی کی پابندی سے آزاد نہیں کیا گیا ہے "مفتی کا فریضہ ہے کہ جن الفاظ اور عبارات میں اس کے سامنے استفتاء پیش کیا جائے اس کے لحاظ سے اور حدود کے اندر شریعت کا مسئلہ پیش کر دے"۔ اور "یہ تو کبھی ممکن ہی نہیں کہ فتویٰ ہی دینے سے انکار کر دے"۔

قرآن و سنت اور سلف صالح کے عمل سے اس کی بھی تردید ہوتی ہے۔ مفتی کے لیے جائز ہے کہ جس امر کے متعلق فتویٰ طلب کیا جائے اس کو چھوڑ کر کوئی ایسی بات بتا دے جو سائل کے لیے زیادہ نافع ہو۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مَاذَا يُنْفِقُوْنَ (کیا خرچ کیا جائے) قرآن میں اللہ نے فتویٰ دیا۔ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ الآیہ۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرو والدین اور رشتہ داروں وغیرہ پر خرچ کرو۔ دیکھیے سوال منفق کے متعلق تھا۔ جواب مصرف سے دیا گیا۔ حضور سے پوچھا گیا کہ یہ چاند گھٹتا بڑھتا کیوں ہے۔ اللہ نے جواب دیا يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ یہ تم سے چاند کی کمی بیشی کے باب میں سوال کرتے ہیں۔ تم علم ہیئت کی تعلیم دینے نہیں بھیجے گئے ہو۔ اس کو چھوڑ کر انھیں بتا دو کہ اس کمی و بیشی میں تمہارے لیے کیا فائدہ ہے۔ اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ یہ ہے کہ تمہیں اوقات معلوم ہو جاتے ہیں کہ یہ رمضان ہے، یہ عید آئی یہ حج کا موسم آیا۔

مفتی کے لیے جائز ہے کہ جتنا سوال کیا جائے اس سے زیادہ جواب دے۔ حضور سے پوچھا گیا کہ محرم کیا پہنے۔ آپ نے جواب دیا "قمیص نہ پہنے، عمامہ اور پجامہ نہ پہنے، موزے نہ پہنے۔ ہاں اگر جوتی نہ ہو تو موزے کو ٹخنوں تک کاٹ کر پہن لے"۔ سوال صرف یہ تھا کہ کیا پہنے جواب میں یہ بھی بتا دیا کہ کیا پہنے اور یہ بھی کہ کیا نہ پہنے۔

مفتی کو جائز ہے کہ فتویٰ دینے میں اگر کوئی مضرت محسوس ہو تو فتویٰ دینے سے انکار کر دے حضرت ابن عباس سے ایک شخص نے ایک آیت کی تفسیر پوچھی۔ آپ نے فرمایا "مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے تجھے اس کی تفسیر بتا دی تو کہیں تو کافر نہ ہو جائے۔ لہٰذا میں نہ بتاؤں گا"۔ عکرمہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ہدایت کی تھی کہ من سالك عما لا يعنيه فلا تفته "جو شخص تجھ سے کوئی ایسی بات پوچھے جو اس کے لیے فائدہ مند ہو اس کو فتویٰ دو، اور جو فضول سوال کرے اسے فتویٰ نہ دو"۔ عموماً سلف صالح کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص مسئلہ دریافت کرتا تو وہ پوچھتے کہ کیا یہ واقعہ پیش آیا ہے؟ اگر وہ اثبات میں جواب دیتا تو فتویٰ دے دیتے اور نفی میں جواب دیتا تو انکار کر دیتے تھے۔ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ میں نے بیس صحابیوں کو دیکھا ہے ان میں سے ہر ایک فتویٰ دینے کی ذمہ داری سے بچتا اور سائل کو دوسرے مفتی کے پاس جانے کی ہدایت کر دیتا تھا۔ ابن عباس اور ابن مسعود دونوں کا قول امام مالک نے نقل کیا ہے کہ من افتی الناس فی کل ما یسئلونه منه لمجنون "جو شخص لوگوں کے ہر سوال کے جواب میں فتویٰ دے وہ مجنون ہے"۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ العجلة فی الفتوی نوع من الجهل والخرق "فتویٰ دینے میں جلدی کرنا ایک قسم کی جہالت اور بے وقوفی ہے"۔

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ جب مسئلہ تفصیل کا محتاج ہو تو تفصیل دریافت کیے بغیر فتویٰ نہ دے کیونکہ مستفتی کبھی اپنی جہالت سے اور کبھی بدنیتی سے پوری صورت حال کو بیان نہیں کرتا جس کی وجہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتوی غلط ہو جاتا ہے۔ بہت سے مستفتی ناجائز اغراض کے لیے باطل مسئلہ کو مزخرف قالب میں ڈھال کر لاتے ہیں اور جو مفتی محض سخن الفاظ کے قیدی ہوتے ہیں وہ دھوکہ کھا کر ایسے فتوے دے بیٹھتے ہیں جن سے بڑی مضرتیں مترتب ہوتی ہیں۔ اس کی ایک دلچسپ مثال وہ واقعہ ہے جو علامہ ابن تیمیہ کے زمانے میں پیش آیا۔ سلطان وقت نے اہل الذمہ کے لیے حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں سے مختلف لباس پہنیں۔ ذمی اس پر ناراض ہوئے اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ انہوں نے استفتاء کی عبارت اس طرح مرتب کی کہ "کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس بارے میں کہ اہل الذمہ کی ایک قوم پر لازم کر دیا گیا تھا کہ وہ اپنے معتاد لباس کے بجائے دوسرا لباس پہنیں جس کے وہ عادی نہ تھے۔ اس سے ان کو راستوں اور کوچوں میں سخت ضرر پہنچا اور بدمعاشوں کو ان پر جرأت ہوئی اور انہوں نے ذمیوں کو ستانا اور ذلیل کرنا شروع کر دیا۔ کیا امام اب ان کو پھر وہی پہلا لباس پہننے کی اجازت دے سکتا ہے اور کیا ایسی اجازت دینا خلاف شریعت ہے؟" جو علماء مستفتی کے پابند تھے اور حقیقت امر کی تحقیق کرنا اپنا فرض نہ جانتے تھے انہوں نے بے تکلف لکھ دیا کہ امام ایسا کر سکتا ہے۔ صورت استفتاء بنائی ہی ایسی گئی تھی کہ محض اس کے الفاظ پر نظر رکھنے والا اس کے سوا کوئی اور فتویٰ نہیں دے سکتا تھا۔ جب ابن تیمیہ کے سامنے یہ سوال پہنچا تو انہوں نے قید الفاظ سے باہر کی دنیا پر نظر ڈالی اور امور واقعیہ کو دیکھ کر فتوی دیا کہ اہل الذمہ کو ایسے لباس پر باقی رکھنا ضروری ہے جس سے ان میں اور مسلمانوں میں تمیز ہو سکے۔ اس کے بعد مستفتی بار بار صورت سوال کو بدل بدل کر علامہ کے پاس لاتے اور ہر مرتبہ علامہ نے وہی فتویٰ دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ تفصیل طلب مسائل میں ضروری معلومات حاصل کیے بغیر حکم بیان نہیں فرماتے تھے۔ اس قسم کی ایک دو نہیں بیسیوں مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔ مگر ایسا کوئی قانون نہیں بنایا جا سکتا کہ فلاں فلاں مسائل میں فلاں فلاں تفصیلات دریافت کی جائیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا تعلق مفتی کے تفقہ فی الدین اور حکمت سے ہے۔ اسے خود سمجھنا چاہیے کہ کس امر میں تفصیل دریافت کرنے کی ضرورت ہے اور کس امر میں نہیں۔ اور کس مسئلہ میں کیا کیا امور دریافت کرنا صحیح فتوی دینے کے لیے ضروری ہے۔ جو شخص اتنی سمجھ نہ رکھتا ہو وہ منصب افتاء کا اہل نہیں۔

سب سے زیادہ حیرت انگیز بات جو اس سلسلہ میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "ہمیں تو آج کل کیا اس سے پہلے بھی کسی ایسے مفتی کا نشان نہیں ملتا جس نے عبارت یا قول کو چھوڑ کر نیت پر فتوی دیا ہو"۔ اس کے بعد پوچھا گیا ہے کہ تمہارے پاس نیت کی پیمائش کا کوئی ٹیپ یا ایمان کے وزن کرنے کا کوئی اسکیل ہو تو پیش کرو۔

مجھ کو کسی ایسے مفتی کا نشان نہیں ملا جو نیت سے قطع نظر کرکے نفس قول یا محض صورت فعل پر حکم لگاتا ہو۔ سب سے بڑے مفتی کا فتوی تو یہ ہے کہ انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئٍ ما نوی۔ شریعت کا قاعدۂ کلیہ یہ قرار پایا ہے کہ نیت ہی سے فعل کی شرعی نوعیت متعین ہوتی ہے، حتّٰی کہ اگر کوئی انسان کوئی ایسا فعل کرے جو اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے حلال ہو، اور نیت اس کی حرام کی ہو تو فتوی حرمت کا دیا جائیگا۔ اور اس کے برعکس صورت فعل حرام ہو مگر نیت حلال کی ہو تو فتوی حلت پر ہوگا۔ ایک شخص خود اپنے مال کو لے رہا ہے مگر سمجھ یہ رہا ہے کہ غیر کا مال ہے تو مفتی کہے گا کہ وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا درانحالیکہ صورت فعل ایسی ہے کہ اس پر حلت کا فتوی ہونا چاہیے تھا۔ ایک شخص تاریکی میں غیر عورت سے مباشرت کرتا ہے مگر سمجھ یہ رہا ہے کہ اس کی اپنی بیوی ہے۔ صورت فعل صریح حرام ہے مگر مفتی کو کہنا پڑے گا کہ وہ فعل حلال کا مرتکب ہوا۔ ایک شخص بیع کا معاملہ کرتا ہے اور نیت اس کی عقد ربو کی ہے۔ کونسا مفتی کہے گا کہ صورت بیع نے اس کو گناہ سے بچا لیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا یہ سوال کہ نیت کی پیمائش کا ذریعہ کیا ہے، تو اس پر میں کوئی طویل فقہی بحث نہ کروں گا میرے پاس بیسیوں اقوال ایسے موجود ہیں کہ اگر نفس قول پر رائے قائم کی جائے تو صریح کفر کا حکم لگا دیا جائے۔ مگر قائلین کے نام سن کر آپ حکم کفر کے خیال کو بھی گناہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے لوائی ارفع من لواء محمد ۔ بطشی اشد من بطش اللہ ۔ جئنا بحراً وقف الانبیاء علی ساحلہ۔ سبحانی ما اعظم شانی ۔ کیا محض نفس الفاظ کا اعتبار کرکے آپ ان اقوال کے قائلین کی طرف کفر کو نسبت دینے کی جرأت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو وہ ٹیپ کہاں ہے جس سے آپ نیتوں کو ناپتے ہیں، اور وہ کونسا اسکیل ہے جس میں ایمان کا وزن کرتے ہیں؟ کیا وہ قائلین کی عملی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ اور ان کے دوسرے اقوال کے سوا کوئی اور چیز ہے؟ کہنے والے نے کہا تھا کہ۔

پنجہ در پنجۂ خدا دارم ۔۔۔ من چہ پروائے مصطفیٰ دارم

ظالموں نے اس قول کے قائل کو کافر کہدیا۔ مگر آپ کے تمام اکابر اُن مکفرین کو ظالم کہتے ہیں اور قائل کا شمار اکابر اسلام میں کرتے ہیں۔ کیوں؟ کس ذریعے سے انہوں نے معلوم کیا کہ قائل کی نیت اپنے اور خدا کے درمیان نبی کے واسطے سے انکار کی ہرگز نہ تھی؟ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کو آپ کے اکابر غواص بحر معرفت فرماتے ہیں۔ ان کی کتنی عبارتیں ایسی ہیں کہ اگر محض ظاہر الفاظ پر رائے قائم کی جائے تو ان لوگوں سے اتفاق کیے بغیر چارہ نہیں رہتا جنہوں نے شیخ کی تکفیر کی ہے۔ مگر کیوں ان کے اقوال کو مصروف عن الظاہر قرار دے کر ان کی تاویل کی جاتی ہے؟ اور قریب تر آئیے۔ کیا مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم رحمہما اللہ اور مولانا اشرف علی تھانوی متعنا اللہ بطول بقاءہ کی عبارتوں میں ایسے فقرے نہیں ہیں جن سے ایک گروہ علماء کو تکفیر و تضلیل کی گنجائش مل گئی ہے؟ نفس عبارت پر حکم لگانے کا جو اصول آپ پیش فرما رہے ہیں وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

توٗ کمفقرین کے لیے بہترین ہتھیار ہے۔ مگر یہ آپ ہی کے اکابر ہیں جو ان حضرات کی دوسری عبارتوں سے استدلال کر کے ان کی صحیح نیت متعین کرتے ہیں۔ اب آپ کو اختیار ہے۔ ان سے تینوں کا یہ ٹیپ اور ایمان کا یہ اکیل چھین لیجیے۔

اسی بنا پر میں عرض کرتا ہوں کہ گروہ بندی ضد پیدا کرتی ہے اور ضد میں انسان حق و باطل کی تمیز کھو دیتا ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ایک گروہ کے لیے آپ کے نزدیک جو اصول حق ہوں، دوسرے گروہوں کے لیے انہی کو آپ باطل ٹھیرائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com